

## رموز بیخودی — علامہ اقبال کے شعری سفر کا برزخی سنگ میل

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

مثنوی رموز بیخودی علامہ اقبال کے فکری ارتقاء اور قومی مقاصد کی برآری کے لیے علامہ اقبال کی جدوجہد کا ایک نمایاں سنگ میل ہے۔ علامہ کی تمام شعری کاوشوں میں رموز بیخودی اس لحاظ سے محوری حیثیت رکھتی ہے کہ یہ مثنوی علامہ کے تمام شعری آثار کا مقام برزخ ہے۔ ۱۹۱۸ء میں جب رموز بیخودی شائع ہوئی تو اس سے پہلے اسرار خودی ۱۹۱۵ء میں شائع ہو چکی تھی۔ خود علامہ کے بقول اسرار خودی رموز بیخودی کا پس منظر یا ابتدائی تھی جبکہ ادھورے مطالب کی تکمیل کے لیے رموز بیخودی تصنیف کی گئی۔ اور پھر رموز بیخودی سے پیدا ہونے والے سوالات کا جواب علامہ نے بعد کی شعری کاوشوں میں دیا۔ رموز بیخودی کے دیباچے سے جو علامہ نے خود لکھا اس مثنوی کی مرکزی اور محوری حیثیت کا تعین ہوتا ہے۔ اسی دیباچے میں علامہ نے رموز بیخودی کے اسرار خودی سے تعلق کو بیان کرتے ہوئے لکھا:

یہ مثنوی کسی طویل الذیل دیباچے کی محتاج نہیں تاہم اس کے مقاصد کی ایک مختصر تشریح ضروری ہے جس طرح حیات افراد میں جلب منفعت دفع مضرت تعیین عمل و ذوق حقائق عالیہ احساس نفس کے تدریجی نشوونما۔ اس کے تسلسل، توسیع اور استحکام سے وابستہ سے اسی طرح ملل و اقوام کے حیات کا راز بھی اسی احساس یا بالفاظ دیگر ”قومی انا“ کی حفاظت۔ تربیت اور استحکام میں مضمر ہے اور حیات ملیہ کا انتہائی کمال یہ ہے کہ افراد قوم کسی آئین مسلم کی پابندی سے اپنے ذاتی جذبات کے حدود مقرر کریں تاکہ انفرادی اعمال کا تباہی و تباہی مٹ کر تمام کے لیے ایک قلب مشترک پیدا ہو جائے۔ افراد کی صورت میں احساس نفس کا تسلسل قوت حافظہ سے ہے اقوام کی صورت میں اس کا تسلسل و استحکام قومی تاریخ کی حفاظت سے ہے۔<sup>۱</sup>

اور پھر رموز بیخودی کو اسرار خودی کا تسلسل قرار دیا:

گویا قومی تاریخ حیات ملیہ کے لیے بمنزلہ قوت حافظہ کے ہے جو اُس کے مختلف مراحل کے حیات و اعمال کو مربوط کر کے ”قومی انا“ کا زمانی تسلسل محفوظ و قائم رکھتی ہے۔ علم الحیات و عمرانیات کے اسی نکتے کو مد نظر

رکھ کر میں نے ملتِ اسلامیہ کی ہیئت ترکیبی اور اس کے مختلف اجزا و عناصر پر نظر ڈالی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی حیات کا صحیح ادراک اسی نقطہ نگاہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔<sup>۱</sup>

رموز بیخودی سے مقصود ہی ملت کی تشکیل ہے۔ اس کی زندگی کے مضبوط اور محکم عملی اصولوں کا بیان کہاں ہوگا؟ اس کا جواب اس دیا ہے میں علامہ نے یوں دیا:

البتہ اس ضمن میں ایک ضروری سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی مختص للہیت جماعت کا انحطاط زائل کرنے اور اُس کی زندگی مضبوط و محکم کرنے کے عملی اصول کیا ہیں؟ اس سوال کا مجمل جواب مثنوی کے دونوں حصوں میں آچکا ہے مگر مفصل جواب کے لیے ناظرین کو انتظار کرنا چاہیے اگر وقت نے مسامتت کی تو اس مثنوی کا تیسرا حصہ اسی سوال کا تفصیلی جواب ہوگا۔<sup>۲</sup>

علامہ نے بعد ازاں بھی اپنی اس تصنیف کو اس نکتے یعنی انفرادی خودی اور قومی بے خودی یا اجتماعی انا کی توضیح قرار دیا۔ قاضی نذیر احمد کے نام ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء کے خط میں لکھا:

جناب من! ڈاکٹر صاحب کو آپ کا خط مل گیا ہے۔ وہ خود غلیل ہیں اس واسطے مجھ سے آپ کے سوالات کا مندرجہ ذیل جواب لکھوایا ہے:

۱۔ میری تحریروں میں خودی کا لفظ دو معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ اخلاقی اور مابعد الطبیعی ہر دو معنوں میں لفظ مذکور کی تشریح واضح طور پر کر دی گئی ہے جس میں فارسی جاننے والے کو کسی قسم کی شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ 'اسرار خودی' اور 'رموز بیخودی' دونوں کا موضوع یہی مسئلہ خودی ہے۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے آپ کو اطمینان ہو جائے گا۔ اگر ان دونوں میں یا کسی اور کتاب میں آپ کو کوئی ایسا شعر ملے جس میں خودی کا مفہوم تلبر یا نحوٹ لیا گیا ہو تو اس سے مجھے آگاہ کیجیے گا۔

اس کے علاوہ مذکورہ بالا دونوں کتابیں انیس سو چودہ اور ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئیں۔ اُس وقت سے لے کر اس وقت تک سینکڑوں مضمون ان کے مطالب کی تشریح میں لکھے گئے ہیں۔ باوجود ان کے اگر کسی کو غلط فہمی ہو تو اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ اس زمانے میں یہ ممکن نہیں کہ سچائی کی دو قسمیں قرار دی جائیں ایک عوام کے لیے، ایک خواص کے لیے اور جو صداقت خواص کے لیے ہو، اُسے عوام پر ظاہر نہ کیا جائے۔ لیکن میرے حالات کے لیے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کیونکہ میں نے مسئلہ خودی کے صرف اس پہلو کو نمایاں کیا ہے جس کا جاننا اس زمانے کے ہندی مسلمانوں کے لیے میرے خیال میں ضروری ہے اور جس کو ہر آدمی سمجھ سکتا ہے۔ خودی کے متعلق تصوف کے جو دقیق مسائل ہیں، اُن سے میں نے اعراض کیا ہے۔<sup>۳</sup>

اسرار خودی کے بعد 'رموز بیخودی' کی تصنیف سے علامہ کے پیش نظر کیا مقاصد تھے، اس کا اندازہ ان ناموں سے بھی ہوتا ہے جو مختلف مراحل پر ان کتب کے لیے علامہ کے زیر غور ہے۔ ابتداً علامہ کے پیش نظر یہ نام 'اسرار حیات'، 'پیام سروش'، 'پیام نو' اور 'آئین نو' تھے۔ ۶ فروری ۱۹۱۵ء کو خواجہ حسن نظامی

کے نام لکھا:

ڈیئر خواجہ صاحب! آپ کی سرکار سے جو خطاب مجھے عطا ہوا ہے، اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن وہ مثنوی جس میں خودی کی حقیقت و استحکام پر بحث کی ہے، اب قریباً تیار ہے اور پریس جانے جو ہے۔ اس کے لیے کوئی عمدہ نام یا خطاب تجویز فرمائیے۔ شیخ عبدالقادر صاحب نے اس کے نام ”اسرارِ حیات“، ”پیامِ سروش“، ”پیامِ نو“، ”آئینِ نو“ تجویز کیے ہیں۔ آپ بھی طبع آزمائی فرمائیے اور نتائج سے مجھے مطلع کیجیے تاکہ میں انتخاب کر سکوں۔<sup>۵</sup>

جب یہ مثنوی مکمل ہو رہی تھی تو علامہ رموز بیخودی کو ”اسرارِ حیات“ علیہ اسلامیہ سے تعبیر کر رہے تھے۔ ۱۳ نومبر ۱۹۱۷ء کو سید سلیمان ندوی کے نام علامہ نے لکھا:

مؤلف سے میری مراد ایڈیٹر کتاب الطوائسین موسیو میگان ہے جس نے فرانسیسی زبان میں طوائسین کے مضامین پر حواشی لکھے ہیں۔ ان شاء اللہ معارف کے لیے کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔ میری صحت بالعموم اچھی نہیں رہتی، اس واسطے بہت کم لکھتا ہوں۔ مثنوی اسرارِ خودی کا دوسرا حصہ یعنی رموز بیخودی (اسرارِ حیات علیہ اسلامیہ) قریب الاختتام ہے۔ شائع ہونے پر ارسالِ خدمت کروں گا۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔<sup>۶</sup>

اس طرح علامہ نے ایک خط میں اس مثنوی کو دو رنوں کی منطق الطیر سے بھی تعبیر کیا۔ اس کے بعد علامہ نے ہماری علمی و شعری روایت سے اپنی کتاب گلشن راز جدید کو محمود شہبازی کی گلشن راز سے معنائاً اور ہیئت کے لحاظ سے منسوب کیا۔ رموز بیخودی کو منطق الطیر قرار دیتے ہوئے علامہ نے لکھا:

اس مثنوی کا دوسرا حصہ رموز بیخودی زیر طبع ہے، فروری یا مارچ میں شائع ہو جائے گا۔ تو آپ کے ملاحظہ کے لیے ارسال ہوگا۔ تیسرے حصے کا بھی آغاز ہو گیا ہے۔ یہ ایک نئی قسم کی منطق الطیر ہوگی۔<sup>۷</sup> اسرارِ خودی کی تصنیف کے وقت علامہ کے پیش نظر حیات فردیہ تھی۔ اقبال کے ایک اور بیان کے مطابق مثنوی اسرارِ خودی تحریر کرنے کا آغاز تو ۱۹۱۰ء سے ہو گیا تھا، مگر ابتدا میں یہ مثنوی بطور حقائق حیات فردیہ، انہوں نے اردو میں لکھنا شروع کی۔ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

میں نے ”اسرارِ خودی“ پہلے اردو میں لکھنی شروع کی تھی مگر مطالب ادا کرنے سے قاصر رہا۔ جو حصہ لکھا گیا تھا، اس کو تلف کر دیا گیا۔ کئی سال بعد پھر یہی کوشش میں نے کی۔ قریباً ڈیڑھ سوا اشعار لکھے، مگر میں خود ان سے مطمئن نہیں ہوں۔

یہ مثنوی فارسی میں کیوں تحریر کی گئی؟ اس سلسلے میں اقبال خود بیان کرتے ہیں:

۱۹۰۵ء میں جب میں انگلستان آیا تھا تو میں محسوس کر چکا تھا کہ مشرقی ادبیات اپنی ظاہری دلفریبیوں اور

دلکشیوں کے باوجود اس روح سے خالی ہیں، جو انسان کے لیے امید، ہمت اور جرأت عمل کا پیغام ہوتی ہے، جسے زندگی کے جوش اور ولولے سے تعبیر کرنا چاہیے۔ یہاں پہنچ کر یورپی ادبیات پر نظر ڈالی تو وہ اگرچہ ہمت افزا نظر آئیں لیکن ان کے مقابلے کے لیے سانس کھڑی تھی، جو ان کو افسردہ بنا رہی تھی۔ ۱۹۰۸ء میں جب میں انگلستان سے واپس آیا تو میرے نزدیک یورپی ادبیات کی حیثیت بھی تقریباً وہی تھی، جو مشرقی ادبیات کی تھی۔ ان حالات سے میرے دل میں کشمکش پیدا ہوئی کہ ان ادبیات کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرنی چاہیے اور ان میں روح پیدا کرنے کے لیے کوئی نیا سرمایہ حیات فراہم کرنا چاہیے۔ میں اپنے وطن گیا تو یہ کشمکش میرے دل میں جاری تھی اور میں اس درجہ منہمک تھا کہ دو تین سال تک میرے عزیز دوستوں کو بھی علم نہ تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ ۱۹۱۰ء میں میری اندرونی کشمکش کا ایک حد تک خاتمہ ہوا اور میں نے فیصلہ کیا کہ اپنے خیالات ظاہر کر دینے چاہئیں، لیکن اندیشہ تھا کہ ان سے غلط فہمیاں پیدا ہوں گی۔ بہر حال میں نے ۱۹۱۰ء میں اپنے خیالات کو مد نظر رکھ کر اپنی مثنوی ”اسرار خودی“ لکھنی شروع کی اردو کو چھوڑ کر فارسی میں شعر کہنے شروع کرنے کے متعلق اب تک مختلف لوگوں نے مختلف توجیہات پیش کی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے، آج میں یہ راز بھی بتا دوں کہ میں نے فارسی میں شعر کیوں کہنے شروع کیے۔ بعض اصحاب خیال کرتے ہیں کہ فارسی زبان میں نے اس لیے اختیار کی کہ میرے خیالات زیادہ وسیع حلقے میں پہنچ جائیں۔ حالانکہ میرا مقصد اس کے بالکل برعکس تھا۔ میں نے اپنی مثنوی ”اسرار خودی“ ابتداء میں صرف ہندوستان کے لیے لکھی تھی اور ہندوستان میں فارسی سمجھنے والے بہت کم تھے۔ میری غرض یہ تھی کہ جو خیالات میں باہر پہنچانا چاہتا ہوں وہ کم از کم حلقے تک پہنچیں۔ اس وقت مجھے یہ خیال تک بھی نہ تھا کہ یہ مثنوی ہندوستان کی سرحدوں سے باہر جائے گی یا سمندر کا سینہ چیر کر یورپ پہنچ جائے گی۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ اس کے بعد فارسی کی دلکشی نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا اور میں اسی زبان میں شعر کہتا رہا۔

اقبال کے فکر کا محور انفرادی اور اجتماعی خودی رہی۔ حتیٰ کہ اس حوالے سے ان کے نظریات کی حتمی شکل وہی رہی جو ان کی مثنویوں، اسرار خودی اور رموز بیخودی میں ملتی ہے۔ مثنوی اسرار خودی میں پیش کردہ نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے مہاراجہ کشن پرشاد کو تحریر کیا:

میں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی گذشتہ دماغی تاریخ اور موجودہ حالت پر بہت غور کیا ہے، جس سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ان دونوں قوموں کے اطباء کو اپنے مریض کا اصل مرض اب تک معلوم نہیں ہو سکا۔ میرا عقیدہ ہے کہ ان کا اصل مرض تو اے حیات کی ناتوانی اور ضعف ہے اور یہ ضعف زیادہ تر ایک خاص قسم کے لٹریچر کا نتیجہ ہے جو ایشیا کی قوموں کی بد نصیبی سے ان میں پیدا ہو گیا..... اب حالات حاضرہ اس امر کے منتقضی ہیں کہ اس نقطہ خیال کی اصلاح کی جائے۔

اسرار کی تصنیف پر علامہ نے ڈاکٹر نکلسن کے نام ۲۶ جنوری ۱۹۴۱ء کے خط میں اس نکتے کی بھی وضاحت کر دی کہ اسرار کا فلسفہ مسلمان صوفیاء اور اہل حکمت سے ماخوذ ہے:

میں اس بارے میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے اسرار خودی پر چند تشریحی نوٹ لکھے تھے جنہیں آپ نے دیباچہ اسرار میں شامل کر لیا ہے۔ ان تفسیری حواشی میں میں نے مغربی مفکرین کے افکار و عقائد کی روشنی میں اپنی حیثیت واضح کی ہے۔ یہ طریق محض اس لیے اختیار کیا گیا تھا تا کہ انگلستان کے لوگ میرے خیالات بہ آسانی سمجھ لیں۔ ورنہ قرآن حکیم، صوفیائے کرام اور مسلمان فلسفیوں کے افکار سے بھی استدلال کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اسرار کے پہلے ایڈیشن میں بزبان اردو جو دیباچہ لکھا ہے اس میں یہی طریق استدلال اختیار کیا گیا ہے۔

میرا دعویٰ ہے کہ اسرار کا فلسفہ مسلمان صوفیاء اور حکما کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے اور تو اور وقت کے متعلق برگسان کا عقیدہ بھی ہمارے صوفیوں کے لیے نئی چیز نہیں۔ قرآن الہیات کی کتاب نہیں بلکہ اس میں انسان کی معاش و معاد کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے پوری قطعیت سے کہا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا تعلق الہیات ہی کے مسائل سے ہے۔ عہد جدید کا ایک مسلمان اہل علم جب ان مسائل کو مذہبی واردات اور افکار کی روشنی میں بیان کرتا ہے جن کا مبدا اور سرچشمہ قرآن مجید ہے، تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ جدید افکار کو قدیم لباس میں پیش کیا جا رہا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پرانے حقائق کو جدید افکار کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ بد قسمتی سے اہل مغرب اسلامی فکریات کی تاریخ سے نا آشنا محض ہیں۔ اے کاش مجھے اس قدر فرصت ہوتی کہ میں اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب لکھ کر مغربی فلسفیوں کو اس حقیقت سے روشناس کر دیتا کہ دنیا کی مختلف قوموں کے فلسفیانہ خیالات ایک دوسرے سے کس قدر مشابہ ہیں۔

کیا اسرار خودی کی تصنیف کا محرک روحانی یا وجدانی تھا؟ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ مہاراجہ کشن پرشاد کے نام اپنے ایک خط محررہ ۱۴ اپریل ۱۹۱۶ء میں لکھتے ہیں:

یہ مثنوی جس کا نام اسرار خودی ہے، ایک مقصد سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔ میری فطرت کا طبعی اور قدرتی میلان سکر و مستی و بے خودی کی طرف ہے۔ مگر قسم ہے اس خدائے واحد کی، جس کے قبضے میں میری جان و مال و آبرو ہے، میں نے یہ مثنوی از خود نہیں لکھی بلکہ مجھ کو اس کے لکھنے کی ہدایت ہوئی ہے اور میں حیران ہوں کہ مجھ کو ایسا مضمون لکھنے کے لیے کیوں انتخاب کیا گیا۔ جب تک اس کا دوسرا حصہ ختم نہ ہو لے گا، میری روح کو چین نہ آئے گا۔ اس وقت مجھے یہ احساس ہے کہ بس میرا یہی ایک فرض ہے اور شاید میری زندگی کا اصل مقصد بھی یہی ہے۔ مجھے یہ معلوم تھا کہ اس کی مخالفت ہوگی، کیونکہ ہم سب انحطاط کے زمانے کی پیداوار میں اور انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ یہ اپنے تمام عناصر و اجزا و اسباب کو اپنے شکار (خواہ وہ شکار کوئی قوم ہو خواہ فرد) کی نگاہ میں محبوب و مطلوب بنا دیتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بد نصیب

شکار اپنے تباہ و برباد کرنے والے اسباب کو اپنا بہترین مرئی تصور کرتا ہے مگر:

من نوائے شاعرِ فردا ستم

اور:

نا امید ستم ز یارانِ قدیم  
طورِ من سوزد کہ می آید کلیم

نہ خواجہ حسن نظامی رہے گا نہ اقبال۔ یہ بیخ جو مردہ زمین میں اقبال نے بویا ہے، اُگے گا، ضرور اُگے گا اور علی الرغم مخالفت بار آور ہوگا۔ مجھ سے اس کی زندگی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ الحمد للہ۔

شیخ اعجاز احمد کے خیال میں اقبال کے اس کشف کا تعلق ۱۹۱۰ء سے ہے۔ انارکلی والے مکان میں وہ رات گئے اشعار قلم بند کرنے کی غرض سے پگلی منزل میں واقع اپنے دفتر میں گئے۔ جب واپس اوپر جانے لگے تو کمرے میں ایک دراز قد، سفید ریش، متبرک صورت بزرگ جو سفید لباس پہنے ہوئے تھے، دکھائی دیئے۔ بزرگ نے انہیں ارشاد کیا کہ پانچ سو آدمی تیار کرو اور اتنا کہنے کے بعد غائب ہو گئے۔ چند ماہ بعد جب اقبال موسم گرما کی تعطیلات میں سیالکوٹ آئے تو اس واقعہ کا ذکر اپنے والد سے کیا۔ میاں جی نے انہیں کہا کہ میں سمجھتا ہوں تمہیں ہدایت ہوئی ہے کہ مسلمانوں کو صحیح معنوں میں زندہ کرنے اور انہیں ”آدمی“ بنانے والی پانچ سو اشعار کی کتاب لکھو شیخ اعجاز احمد کی رائے میں اس کشفی ہدایت کی تعمیل میں لکھی جانے والی کتاب دراصل مثنوی اسرار خودی تھی۔ ایک خواب تھا جس میں مولانا رومی نے اقبال کو مثنوی لکھنے کی تلقین کی تھی:

روئے خود بنمود پیر حق سرشت  
کو بحرف پہلوی قرآن نوشت  
گفت اے دیوانہ ارباب عشق  
جرعہ گیر از شراب ناب عشق ۵

علامہ نے اسرار خودی اور رموز بیخودی کے مضامین کو باہم منطقی ربط سے ترتیب دیا یعنی خودی سے بے خودی کی طرف کس طرح آئیں گے اور خودی کے مقابل بے خودی کا مفہوم کیا ہوگا۔ اس تصور کو بھی واضح کرتے ہوئے اکبر الہ آبادی کے نام ۲۰ جولائی ۱۹۲۸ء کو لکھتے ہیں:

یہ بات درست نہیں بلکہ میری بد نصیبی یہ ہے کہ آپ نے مثنوی اسرار خودی کو اب تک نہیں پڑھا۔ میں نے کسی گذشتہ خط میں عرض بھی کیا تھا کہ ایک مسلمان پر بدظنی کرنے سے محترز رہنے کے لیے میری خاطر سے ایک دفعہ پڑھ لیجیے۔ اگر آپ ایسا کرتے تو یہ اعتراض نہ ہوتا۔

آں چناں گم شو کہ یکسر سجدہ شو

اور اسرارِ خودی میں کوئی تناقض نہیں۔ یہ بات تو میں نے پہلے حصہ میں اس سے بھی زیادہ واضح طور پر بیان کی ہے:

اند کے اندر حرائے دل نشیں  
ترکِ خود کن سوئے حق ہجرت گزیریں  
محکم از حق شو سوئے خود گام زن  
لات و عزائے ہوں را سرشکن  
ہرکہ در اقلیم لا آباد شد  
فارغ از بند زن و اولاد خُند

میں اس خودی کا حامی ہوں جو سچی بے خودی سے پیدا ہوتی ہے، یعنی جو نتیجہ ہے ہجرت الی الحق کرنے کا، اور جو باطل کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح مضبوط ہے۔

بندۂ حق پیش مولا لاسے  
پیشِ باطل از نعم بر جاسے  
دوسرے حصے میں عالمگیری کی ایک حکایت ہے۔ اس میں یہ شعر ہے:۔  
یہ چینیں دل خود نما و خود شکن  
دارد اندر سینۂ مومن وطن

مگر ایک اور بے خودی ہے جس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک وہ جو Lyric Poetry کے پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس قسم سے ہے جو افیون و شراب کا نتیجہ ہے۔

(۲) دوسری وہ بے خودی ہے جو بعض صوفیہ اسلامیہ اور تمام ہندو جوگیوں کے نزدیک ذاتِ انسانی کو ذاتِ باری میں فنا کر دینے سے پیدا ہوتی ہے، اور یہ فنا ذاتِ باری میں ہے، نہ احکامِ باری تعالیٰ میں۔ پہلی قسم کی بے خودی تو ایک حد تک مفید بھی ہو سکتی ہے مگر دوسری قسم تمام مذہب و اخلاق کے خلاف جڑ کاٹنے والی ہے۔ میں ان دو قسموں کی بے خودی پر معترض ہوں اور بس حقیقی اسلامی بے خودی میرے نزدیک اپنے ذاتی اور شخصی میلانات، رجحانات و تخیلات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو جانا ہے۔ اس طرح پر کہ اس پابندی کے نتائج سے انسان بالکل لا پروا ہو جائے اور محض رضا و تسلیم کو اپنا شعار بنائے۔ یہی اسلامی تصوف کے نزدیک 'فنا' ہے؛ البتہ عجمی تصوف فنا کے کچھ اور معنی جانتا ہے جس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں۔ خواجہ حافظ پر جو اشعار میں نے لکھے تھے، اُن کے مقاصد کچھ اور تھے۔ آیات قرآنی جو آپ نے لکھی ہیں، زیرِ نظر ہیں۔ میں ان کے وہی معانی سمجھتا ہوں جو آپ کے ذہن میں ہیں۔ حیاتِ دنیا پینک اہود لعب ہے۔ میں

نے بھی پہلے حصہ میں (اسرار خودی) یہی لکھا ہے:

درقبائے خسروی درویش زی  
 دیدہ بیدار خدا اندیش زی  
 پھر دوسرے حصے میں ہے جس میں حضرت عمرؓ کا ایک قول منظوم کیا ہے:  
 راہ دشوار اس ساماں کم بگیر  
 درجہاں آزاد زی، آزاد میر  
 سبھ اقلن من الدنیا شمار  
 از تعش حراً شوی سرمایہ دار

غرض یہ کہ سلطنت ہو، امارت ہو، کچھ ہو، بجائے خود کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ یہ ذرائع ہیں اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کے جو شخص ان کو بجائے خود مقصد جانتا ہے، وہ رضوا بالحویۃ الدنیا میں داخل ہے۔ کوئی فعل مسلمان کا ایسا نہ ہونا چاہیے جس کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ کے سوا کچھ اور ہو۔ مسلمان کی تعریف پہلے حصے میں یوں کی گئی ہے (اسرار خودی):

قلب را از صبغتہ اللہ رنگ دہ  
 عشق رانا موس و نام ونگ دہ  
 طبع مسلم از محبت قاہراست  
 مسلم اور عاشق نبشد کا فراست  
 تابع حق دیدنش، نادیدنش  
 خوردنش، نوشیدنش، خوابیدنش  
 دررضایش مرضی حق گم شود  
 این سخن کے باور مردم شود

زیادہ کیا عرض کروں، سوائے اس کے کہ مجھ پر عنایت فرمائیے۔ عنایت کیا رحم کیجیے اور اسرار خودی کو ایک دفعہ پڑھ جائیے۔ جس طرح منصور کو شبلی کے پتھر سے زخم آیا اور اُس کی تکلیف سے اُس نے آہ فریاد کی، اسی طرح مجھ کو آپ کا اعتراض تکلیف دیتا ہے۔

رموز بیخودی کی تصنیف کے مقاصد کی وضاحت کے سلسلے میں سر عبدالقادر مثنوی کے اس حصے کی وجہ تصنیف علامہ اقبال ہی کی زبانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ڈاکٹر صاحب کہنے لگے، میں عبدالرحمن بجنوری کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا بڑا معترف ہوں بلکہ ایک اعتبار



سے ممنون بھی ہوں۔ وہ یوں کہ جب اسرار خودی شائع ہوئی تو بجنوری نے ایک تنقیدی مضمون لکھا، جس میں خودی کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنے کے بعد یہ کہا کہ اقبال فرد کی خودی پر اتنا زور دے رہا ہے کہ اس سے یہ خوف پیدا ہو چلا ہے کہ شاید اس کے پیش نظر ملت کا وجود نہیں۔ حالانکہ انفرادی خودی کی تکمیل بھی ملت ہی میں گم ہو کر ہوتی ہے۔ بجنوری کے اس مضمون کے بعد میں نے ضروری سمجھا کہ رموز بیخودی لکھ کر اس قسم کے اندیشوں کا ازالہ کر دوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اگر بجنوری کا مضمون نہ چھپتا تو رموز بیخودی لکھی جاتی یا نہ لکھی جاتی، لیکن یہ واقعہ ہے کہ بجنوری کا مضمون پڑھ کر مجھے احساس ہوا کہ رموز بیخودی کا لکھا جانا بے حد ضروری ہے۔

اسی طرح نیاز الدین خان کے نام ایک خط محررہ ۲۷ جون ۱۹۱۷ء میں ”رموز بیخودی“ کے موضوع پر اقبال نے تحریر کیا:

جہاں تک مجھے معلوم ہے، ملت اسلامیہ کا فلسفہ اس صورت میں اس سے پہلے کبھی اسلامی جماعت کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔ نئے اسکول کے مسلمانوں کو معلوم ہوگا کہ یورپ جس قومیت پر ناز کرتا ہے، وہ محض بودے اور ست تاروں کا بنا ہوا ایک ضعیف چیتھڑا ہے۔ قومیت کے اصول کھٹے صرف اسلام نے ہی بتائے ہیں جن کی چیتگی اور پائیداری مرویات و اعصار سے متاثر نہیں ہو سکتی۔

رموز بیخودی کے مضامین کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

### ۱- تعارف

(i) مولانا روم سے انتساب

جہد کن در بے خودی خود را بیاب

زودتر، واللہ اعلم بالصواب<sup>۹</sup>

(ii) پیش کش بجزور ملت اسلامیہ

(iii) تمہید۔ در معنی ربط فرد و ملت

(iv) در معنی اس کے ملت از اختلاط افراد پیدای شعر و تکمیل تربیت او از نبوت است

### ۲- ارکان اساسی ملت اسلامیہ

رکن اول۔ توحید

(i) در معنی اس کے یاس و خزن و خوف ام الخبائث است و قاطع حیات و توحید ازالہ این

امراض خبیثی کند۔

(ii) حکایات۔ ۱۔ محاورہ تیر و شمشیر

ب۔ حکایت شیر و شہنشاہ عالمگیر

### رکن دوم- رسالت

(i) در معنی این کہ مقصود رسالت محمدیہ تشکیل تاسیس حریت و مساوات و اخوت بنی نوع آدم

است

### حکایات

(i) حکایت بو عبیدہ و جابان در معنی اخوت اسلامیہ

(ii) حکایت سلطان مراد و معمار در معنی مساوات اسلامیہ

(iii) در معنی حریت اسلامیہ و سر حادثہ کربلا

### ۳- خصائص ملت اسلامیہ

(i) زمانی- مکانی بقا

ا- در معنی این کہ چون ملت محمدیہ موسس بر توحید و رسالت است پس نہایت مکانی ندارد

ب- در معنی این کہ وطن اساس ملت نیست

ج- در معنی این کہ ملت محمدیہ نہایت زمان ہم ندارد کہ دوام این ملت شریفہ موعود است

(ii) آئین ملت

ا- در معنی این کہ نظام ملت غیر از آئین صورت نہ بندد و آئین ملت محمدیہ قرآن است

ب- در معنی این کہ در زمانہ انحطاط تقلید از اجتہاد اولی تراست

ج- در معنی این کہ پیچگی سیرت ملیہ از اتباع آئین الہیہ است

(iii) سیرت ملت

در معنی این کہ حسن سیرت ملیہ از تادب بآداب محمدیہ است

(iv) مرکز ملت

در معنی این کہ حیات ملیہ مرکز محسوس مینواہد مرکز ملت اسلامیہ بیت الحرم است

(v) ملی نصب العین

در معنی این کہ جمعیت حقیقی از محکم گرفتن نصب العین ملیہ است و نصب العین امت محمدیہ

حفظ و نشر توحید است

(vi) توسیع حیات ملیہ

در معنی این کہ توسیع حیات ملیہ از تسخیر قوائے نظام عالم است

(vii) کمال حیات ملیہ

در معنی میں کہ کمال حیات ملیہ میں اس کی ملت مثل فرد احساس خودی پیدا کند و تولید و تکمیل میں احساس از ضبط روایات ملیہ ممکن گردد۔

(viii) بقائے ملت

۱۔ در معنی میں کہ بقائے نوع از امومت است و حفظ و احترام امومت اسلام است

ب۔ در معنی میں کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراءؑ اسوہ کاملہ ایست برائے نساء السلام

ج۔ خطاب بہ مخدرات اسلام

۴۔ خلاصہ مطالب مثنوی در تفسیر سورۃ اخلاص

۵۔ عرض حال مصنف بحضور رحمۃ اللعلمین۔

کتاب کا آغاز مولانا روم کے اس شعر سے کیا گیا ہے:

جہد کن در بے خودی خود را بیاب

زودتر، واللہ اعلم بالصواب

یہ شعر ایک لحاظ سے کتاب کا مولانا روم سے انتساب بھی ہے اور علامہ کے منشا و مقصود کا بیان بھی۔ یعنی اس مثنوی کے لیے علامہ نے بے خودی کا لفظ مثنوی سے کیا۔ مثنوی بے خودی میں لفظ بے خودی کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ مثنوی کے دفتر دوم، دفتر سوم، دفتر چہارم، اور دفتر پنجم میں یہ لفظ مولانا لاتے ہیں۔ مگر ان تمام اشعار سے رموز بیخودی کے لیے علامہ نے جس شعر کا انتخاب کیا وہ اپنے نفس مضمون اور الفاظ یعنی جہد، بے خودی، خود را یافتن، اور زودتر کے لحاظ سے علامہ کے پیغام سے مناسبت رکھتا ہے۔ یہ شعر جس پس منظر میں مثنوی معنوی میں آیا ہے وہ علامہ کے تصور خودی اور بے خودی کے باہمی ربط کی وضاحت بھی ہے۔ یہ شعر دفتر چہارم کی ایک حکایت سے ہے جس کا عنوان ہے:

در بیان آنکہ شہزادہ، آدمی بیچہ است و خلیفہ خداست پدرش، آدم صفی خلیفہ حق سجود ملائک، و آن کمپیر کابلی دنیا است کہ آدمی بیچہ را از پدر ببرد بہ سحر، و انبیا و اولیا آن طبیب تدارک کنندہ اند۔<sup>۴</sup>

مثنوی کو اس حکایت کے مطابق جب ایک بادشاہ کا شہزادہ جادو کے اثرات کے تحت اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے تو بادشاہ کے لیے یہ واقعہ ایک سانحہ جانکاہ ثابت ہوتا ہے۔ بصد تدبیر جب وہ شہزادہ صحت یاب ہوتا ہے تو مولانا بادشاہ کی اس ساری پریشانی اور مصیبت کے ازالے کو بندہ مومن کے احوال سے مناسبت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بندہ مومن کی چشم بصیرت دنیا کی افسوس گری سے نابینا ہو چکی ہے۔ اس کی صحت یابی اس میں ہے کہ وہ ذات حق کے سامنے بیخود ہو جائے تاکہ وہ اصل حقیقت ہو سکے۔ یہی مفہوم

علامہ کے رموز بیخودی کو منطق الطیر قرار دینے میں ہے۔ ۵۔ منطق الطیر کا یہ شعر اس مفہوم کو بیان کرتا ہے جو خودی کے انتساب کے طور پر دیئے گئے مولانا کے شعر میں ہے:

تو درو گم شو وصال این است و بس

تو ممان اصلا کمال این است و بس

اس بے خودی کی وضاحت مثنوی کے دوسرے اشعار سے یوں ہوتی ہے:

عقل سایہ حق بود حق آفتاب

سایہ را با آفتاب او چہ تاب

چوں پری غالب شود بر آدمی

گم شود از مرد وصف مردی

ہر چہ گوید آن پری گفتہ بود

زیں سرے نہ، زآں سرے گفتہ بود

پس خداوند پری و آدمی

از پری کے باشدش آخر کی

گرچہ قرآن از لب پیغمبر است

ہر کہ گوید حق تکلف او کافر است!

رموز بیخودی کی تصنیف کے بعد اس مثنوی کا تیسرا حصہ ”حیات مستقبلہ ملت اسلامیہ“ علامہ کے پیش نظر تھا۔ ۱۹۱۷ء کے اواخر میں رموز بیخودی مکمل ہوئی، اس دوران اقبال مثنوی کے تیسرے حصے بعنوان ”حیات مستقبلہ اسلامیہ“ تحریر کرنے پر بھی غور کر رہے تھے۔ چنانچہ گرامی کے نام خط میں لکھتے ہیں:

مگر اب تیسرا حصہ ذہن میں آ رہا ہے اور مضامین دریا کی طرح اٹدے آ رہے ہیں اور حیران ہو رہا ہوں کہ کس کس کو نوٹ کروں۔ اس حصے کا مضمون ہوگا، حیات مستقبلہ اسلامیہ یعنی قرآن شریف سے مسلمانوں کی آئندہ تاریخ پر کیا روشنی پڑتی ہے اور جماعت اسلامیہ، جس کی تاسیس دعوت ابراہیمی سے شروع ہوئی، کیا کیا واقعات و حوادث آئندہ صدیوں میں دیکھنے والی ہے اور بالآخر ان سب واقعات کا مقصود و غایت کیا ہے۔ میری سمجھ اور علم میں یہ تمام باتیں قرآن مجید میں موجود ہیں اور استدلال ایسا صاف اور واضح ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تاویل سے کام لیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے قرآن شریف کا یہ مخفی علم مجھ کو عطا کیا ہے۔ میں نے پندرہ سال تک قرآن پڑھا ہے اور بعض آیات اور سورتوں پر مہینوں بلکہ برسوں غور کیا ہے اور اتنے طویل عرصے کے بعد مندرجہ بالا نتیجہ پر پہنچا ہوں، مگر مضمون بڑا نازک ہے اور اس

کا لکھنا آسان نہیں۔ بہر حال میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس کو ایک دفعہ لکھ ڈالوں گا، اور اس کی اشاعت میری زندگی کے بعد ہو جائے گی یا جب اس کا وقت آئے گا اشاعت ہو جائے گی۔ اسی طرح اس ارادے کا اظہار رموز بیخودی کی اشاعت کے بعد، اکبر الہ آبادی سے بھی اپنے ایک خط محررہ ۲۸ نومبر ۱۹۱۸ء میں کیا اور تیسرے حصے کے چند شعر بھی انہیں لکھے۔

گورموز بیخودی کا تیسرا حصہ 'حیات مستقبلہ ملت اسلامیہ' کے عنوان کے تحت تو نہ لکھا جاسکا مگر بعد کی تصانیف خصوصاً جاوید نامہ میں علامہ نے ان تمام مضامین کو بیان کر دیا۔ جاوید نامہ میں 'محکمات عالم قرآنی' کے تحت بیان کیے گئے نکات اس مضمون کو بیان کرتے ہیں کہ ملت اسلامیہ کے مستقبل کی محکم اساس کیا ہو سکتی ہے۔ محکمات عالم قرآنی کے تحت درج ذیل نکات کو علامہ نے بیان کیا ہے:

۱- خلافتِ آدم

۲- حکومتِ الہی

۳- ارضِ ملکِ خداست

۴- حکمتِ خیر کثیر است

اگر ان نکات کی تفصیلات کو رموز بیخودی کے مضامین کے تناظر میں دیکھا جائے تو باسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ محکمات عالم قرآنی نہ صرف رموز بیخودی کے مضامین کی تفصیل و توضیح ہیں بلکہ ان تصورات کے عملی نفاذ و اطلاق کا منج بھی ہیں۔ اب ان نکات کی وضاحت کی جاتی ہے۔

۱- خلافتِ آدم

در دو عالم ہر کجا آثارِ عشق

ابن آدم سرے از اسرارِ عشق

دونوں جہانوں میں ہر جگہ عشق ہی کے آثار ہیں۔ آدم کا بیٹا عشق اسرار میں سے ایک راز ہے۔

سرّ عشق از عالمِ ارحام نیست

او ز سام و حام و روم و شام نیست

سرعشق کا تعلق ماؤں کے رحم سے نہیں نہ اس کی نسبت خاندان یا ملک سے ہے۔

کو کب بے شرق و غرب و بے غروب

در مدارش نے شمال و نے جنوب

وہ ایسا ستارہ ہے جس کا تعلق نہ مشرق سے نہ مغرب سے اور نہ وہ کبھی غروب ہوتا ہے اور نہ اس کے مدار میں

شمال و جنوب ہے۔

حرفِ اِنی جَاعِلِ تَقْدِیرِ او  
از زمیں تا آسماں تفسیرِ او  
اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ ”میں آدم کو زمین میں اپنا نائب بناتا ہوں“ انسان کی تقدیر ہے اور زمین سے آسمان تک  
ہر شے کی تسخیر اس تقدیر کی تفسیر ہے۔

او امام و او صلوات و او حرم  
او مداد و او کتاب و او قلم!  
وہ امام ہے وہی صلوة اور وہی حرم۔ وہی سپاہی ہے وہی لوح محفوظ اور وہی قلم۔  
برتر از گردوں مقامِ آدم است  
اصلِ تہذیبِ احترامِ آدم است  
آدم کا مقام آسمان سے بھی بلند تر ہے احترامِ آدم ہی تہذیب کی بنیاد ہے۔  
زندگی اے زندہ دل دانی کہ چیست؟  
عشق یک ہیں در تماشاے دوئی است!  
اے زندہ دل کیا تو جانتا ہے کہ زندگی کیا ہے؟ عشق یک بین کثرت میں وحدت کا تماشا کرتا ہے۔

زن نگہ دارندہ نارِ حیات  
فطرتِ او لوحِ اسرارِ حیات  
عورت نارِ حیات کی محافظہ ہے اس کی فطرت ایسی لوح ہے جس پر اسرارِ حیات رقم ہوتے ہیں۔  
آتشِ ما را بجانِ خود زند  
جوہرِ او خاکِ را آدم کند  
وہ ہماری آتش (شوق) کو اپنی جان میں سموتی ہے چنانچہ اس کا جوہر خاک کو آدم بنا دیتا ہے۔  
در ضمیرش ممکناتِ زندگی  
از تب و تابش ثباتِ زندگی  
اس کے ضمیر کے اندر زندگی کے امکانات پوشیدہ ہیں۔ اس کی تب و تاب سے زندگی ثبات پاتی ہے۔  
اے ز دینتِ عصرِ حاضرِ بردہ تاب  
فاش گویم با تو اسرارِ حجاب  
دورِ نونے تیرے دین کی آب و تاب زائل کر دی ہے۔ میں تجھ پر پردے کے اسرارِ واضح کرتا ہوں۔

ذوقِ تخلیق آتشے اندر بدن  
 از فروغ او فروغ انجمن!  
 ذوقِ تخلیق بدن کے اندر آگ کی مانند ہے اسی کی روشنی سے انجمن روشن ہے۔  
 ہر کہ بردارد ازیں آتش نصیب  
 سوز و ساز خویش را گردد رقیب  
 جو بھی اس آگ سے کوئی حصہ رکھتا ہے۔ وہ اپنے ساز و ساز کو محفوظ کر لیتا ہے۔  
 ہر زماں بر نقشِ خود بند نظر  
 تا نگیرد لوح او نقشِ دگر  
 وہ ہر لمحہ اپنے نقش پر نگاہ مرکوز رکھتا ہے مبادا اس کی لوح کسی اور کا نقش اختیار کر لے۔  
 مصطفیٰؐ اندر حرا خلوت گزید  
 مدّتے جز خویشتن کس را ندید  
 جناب رسول پاک نے حارحرا میں خلوت اختیار فرمائی اور مدت تک اپنے سوا کسی اور کو نہ دیکھا۔  
 نقشِ ما را در دل او ریختند  
 ملتے از خلوتش انگیندند  
 آپ کے قلب مبارک میں ہمارا نقش ڈالا گیا۔ آپؐ کی خلوت کے اندر سے ایک نئی ملت ابھری۔  
 می توانی منکرِ یزداں شدن  
 منکر از شانِ نبیؐ نتواں شدن  
 اللہ تعالیٰ سے انکار کیا جاسکتا ہے مگر حضورؐ کی عظمتِ شان سے انکار ممکن نہیں۔  
 از کم آمیزی تخیلِ زندہ تر  
 زندہ تر، جو بندہ تر، یا بندہ تر!  
 کم آمیزی سے قلب کے اندر زندگی جستجو اور یافت بڑھتی ہے۔  
 علم و ہم شوق از مقاماتِ حیات  
 ہر دو می گیرد نصیب از واردات!  
 علم اور شوق (عشق) دونوں زندگی کے مقامات میں سے ہیں ہر دو کا تعلق مشاہدات اور تجربات سے ہے۔  
 ہر کجا بے پردہ آثارِ حیات  
 چشمہ زارش در ضمیر کائنات

جہاں کہیں آثار حیات بے پردہ نظر آئے ہیں۔ ان کا سرچشمہ ضمیر کائنات کے اندر ہے۔

در نگر ہنگامہ آفاق را

زحمتِ جلوت مدہ خلاق را

پس تو ہنگامہ آفاق دیکھ اس کے خلاق کو جلوت کی زحمت نہ دے۔

حفظِ ہر نقشِ آفریں از خلوت است

خاتمِ او را نگین از خلوت است

ہر نقشِ آفریں کی حفاظت خلوت سے ہے خلوت ہی اس کی انگوٹھی کا نگینہ ہے۔

خلافتِ آدم کے تحت علامہ نے آدم کے مقام، منصب، تہذیب انسانی کے فروغ و ارتقاء عورت کے منصب، تحفظ ناموس اور پردے کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ معاشرے کی تعمیر میں عورت کا وہی کردار جس کا ذکر خطاب بہ مخدرات اسلام میں تھا۔ یہاں زیادہ تفصیل سے آیا ہے۔ علامہ نے معاشرے کی مستحکم اساس اس امر کو قرار کو دیا ہے کہ تخلیق خلوت میں ہوتی ہے اور جلوت میں تخلیقی فعلیت کمزور ہو جاتی ہے لہذا اگر معاشرے کو مضبوط اساس پر استوار کرنا ہو تو عورت کے ناموس، تقدس اور اہمیت کے کردار کا احترام بحال کرنا ہوگا۔

## ۲- حکومتِ الہی

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام

نے غلام او را نہ او کس را غلام

بندۂ حق ہر مقام سے بے نیاز ہے نہ وہ کسی کا غلام ہے نہ کوئی اس کا غلام۔

بندۂ حق مردِ آزاد است و بس

ملک و آئینش خداداد است و بس

بندۂ حق بس مردِ آزاد ہے۔ اس کی حکومت اور آئین اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔

عادل اندر صلح و ہم اندر مصاف

وصل و فصلش لا یراعی لا یخاف

احکام و صلح و جنگ دونوں میں عدل پر مبنی ہیں وہ دوستی و دشمنی دونوں میں نہ کسی کی رعایت کرتے ہیں نہ کسی کا خوف رکھتے ہیں۔

غیر حق چوں ناہی و آمر شود



زور و ر نا تو اں قاہر شود  
جب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ تو اس سے طاقتور کمزور پر مسلط ہو جاتا ہے۔

قاہر آمر کہ باشد پختہ کار  
از قوانین گرد خود بند حصار  
پختہ کار ز بردست آمر۔ قوانین کے ذریعے اپنے ارد گرد قلعہ بنا لیتا ہے۔  
قاہری را شرع و دستورے دہد  
بے بصیرت سرمہ با کورے دہد!  
جبر و تسلط کو قانون اور آئین کی صورت دیتا ہے گویا اندھا اندھے کو سرمہ عطا کرتا ہے۔  
حاصل آئین و دستور ملوک!  
دہ خدایاں فر بہ و دہقاں چو دوک!  
پادشاہوں کے آئین و دستور کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جاگیر دار موٹے ہو جاتے ہیں اور دہقان تلکے کی مانند نحیف و نزار۔

وائے بر دستور جمہور فرنگ  
مردہ تر شد مردہ از صور فرنگ!  
فرنگی جمہوریت کے دستور پر افسوس فرنگ کی بانگ صور سے مردہ زندہ ہونے کی بجائے اور زیادہ مردہ ہو جاتا ہے۔

دیدہ ہا بے نم ز حب سیم و زر  
مادراں را بار دوش آمد پسر  
سونے چاندی کی محبت نے ان کی آنکھوں سے ہمدردی چھین لی ہے یہاں تک کہ مائیں اپنے بیٹوں کو بوجھ سمجھنے لگی ہیں (ماتر جیسی قیمتی چیز بھی ختم ہو گئی ہے۔)  
گرچہ دارد شیوہ ہای رنگ رنگ  
من بجز عبرت نگیرم از فرنگ!  
اگرچہ اگر رنگ رنگ انداز رکھتا ہے مگر میں انہیں دیکھ کر صرف عبرت حاصل کرتا ہوں۔  
اے بہ تقلیدش اسیر آزاد شو  
دامن قرآن بگیر آزاد شو!  
اے وہ شخص جو ان کی تقلید کا غلام بنا ہوا ہے آزاد ہو۔ قرآن پاک کا دامن تھام اور صحیح معنوں میں مرد حرج بن

جا۔

حکومتِ الہی سے علامہ کی مراد وہ روحانی جمہوریت ہے جس کا اجمالی ذکر تور موز بیخودی میں آیا اور پھر اسے علامہ نے تشکیلِ جدید میں بھی بیان کیا۔ یہاں اس کی مزید تفصیلات آئی ہیں۔ مسلم معاشرہ قانونِ الہی اور وحی کا پابند ہوتا ہے۔ دنیاوی جمہوریت کے وہ مفاسد جنہوں نے دنیا کو مسائل کی آماجگاہ بنا دیا ہے ان میں حب سیم و زر، استحصال اور دوسرے مسائل شامل ہیں۔ ان کا ازالہ صرف آئینِ الہی کی پابندی سے ہی ممکن ہے۔

### ۳- ارض ملک خداست

سر گذشتِ آدم اندر شرق و غرب  
بہر خاکے فتنہ ہائے حرب و ضرب!  
مشرق و مغرب میں آدم کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ لڑائی جھگڑے کے سارے فتنے زمین کے لیے پیدا ہوئے۔  
یک عروس و شوہر او ما ہمہ  
آں فسوگر بے ہمہ ہم با ہمہ!  
یہ ایک لہن ہے اور ہم سب اس کے شوہر اور یہ ساحرہ ہم سب کے ساتھ بھی ہے اور ہمارے بغیر بھی۔  
عشوہ ہائے او ہمہ مکر و فن است  
نے ازان تو نہ از آن من است!  
اس کے سارے ناز و ادا مکرو فن ہیں۔ نہ یہ تیری ہے اور نہ میری۔  
حق زمین را جز متاع ما نگفت  
ایں متاع بے بہا مفت است مفت  
اللہ تعالیٰ نے زمین کو صرف ہماری متاع فرمایا ہے۔ اور یہ بے بہا متاع مفت ہے مفت۔  
دہ خدایا! نکتہ از من پذیر  
رزق و گور از وے بگیر او را مگیر  
جاگیر دار مجھ سے یہ نکتہ سمجھ زمین سے رزق اور قبر حاصل کر، زمین پر قبضہ نہ کر۔  
تو عقابی طائفِ افلاک شو  
بال و پر بکشا و پاک از خاک شو  
تو عقاب ہے افلاک کی سیر کر۔ اپنے بال و پر کھول اور خاک سے آزاد ہو۔  
باطن الارض للہ ظاہر است

ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است  
 زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اس کے معنی ظاہر ہیں جو اس ظاہر نہیں دیکھتا وہ کافر ہے۔  
 من گلویم در گذر از کاخ و کوے  
 دولت تست ایں جہان رنگ و بوے  
 میں نہیں کہتا کہ مکان و آبادی کو چھوڑ دے یہ جہان رنگ و بو (دنیا) تمہاری دولت ہے۔  
 دانہ دانہ گوہر از خاکش بگیر  
 صید چوں شاہیں ز افلاکش بگیر  
 زمین کی خاک سے دانوں کو موتیوں کی طرح چن لیکن شاہیں کی مانند اس کے افلاک سے شکار کر۔  
 مُردن بے برگ و بے گور و کفن؟  
 گم شدن در نقرہ و فرزند و زن!  
 بے سروسامانی کی حالت میں اور بغیر گور و کفن کے مرنا کیا ہے؟ سونے، چاندی اور فرزند و زمن میں خوجانا۔  
 ہر کہ حرفی لَّا اِلٰہَ اِلاَّ ہُوَ  
 عالے را گم بخویش اندر کند  
 جس کسی نے لا الہ الا اللہ از بر کر لیا۔ اس نے گویا سارے جہان کو اپنے اندر سمولیا۔  
 فقر جوع و رقص و عریانی کجاست  
 فقر سلطانی است رہبانی کجاست  
 بھوکا، ننگار ہنا اور رقص کرنا۔ یہ فقر نہیں فقر سلطانی ہے رہبانی نہیں۔

الارض للہ وہ عنوان ہے جو علامہ کے معاشی افکار کا بیان ہے۔ 'بلیس کی مجلس شوریٰ' ۱۸ میں علامہ نے  
 مطلق ملکیت کی بجائے امانت کے جس تصور کا ذکر کیا تھا وہ اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ یہاں موجود ہے۔  
 اکتناز اور استحصال وہ معاشی بیماریاں ہیں جو معاشرے کو انسانیت کے اوصاف سے محروم کر دیتی ہیں۔ ایک  
 اسلامی معاشرے میں وسائل معیشت سے استفادے کے امکانات ہر شخص کے لیے برابر کھلے ہوتے ہیں۔

## ۴- حکمت خیر کثیر است

’گفت حکمت را خدا خیر کثیر  
 ہر کجا ایں خیر را بنی بگیر  
 اللہ تعالیٰ نے حکمت کو خیر کثیر فرمایا ہے جہاں کہیں تو اس خیر کو دیکھے اپنالے۔

علم حرف و صوت را شہپر دہد  
 پاکی گوہر بہ نا گوہر دہد  
 علم مصنف اور خطیب کو شہپر عطا کرتا ہے اس سے معمولی شخصیت کو بھی اندرونی پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے۔  
 علم را بر اوج افلاک است رہ  
 تا ز چشم مہر بر کند نگہ  
 علم کا راستہ افلاک کی بلندیوں تک پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سورج کی آنکھ سے بھی نگاہ چھین لیتا ہے۔  
 نسخہٴ او نسخہٴ تفسیر کل  
 بستہٴ تدبیر او تقدیر کل  
 علم ساری موجودات کی تفسیر حاصل کرنے کا نسخہ ہے سب کی تقدیر اسی کی تدبیر کے ساتھ وابستہ ہے۔  
 چشم او بر واردات کائنات  
 تا بہ بیند محکمت کائنات  
 علم کی نظر کائنات کے بارے تجربات پر ہے۔ تاکہ وہ کائنات کے بنیادی اصول دیکھے۔  
 دل اگر بند بہ حق، پیغمبری است  
 و ز حق بیگانہ گردد کافری است!  
 دل کو اگر اللہ تعالیٰ سے لگا یا جائے تو یہ پیغمبری ہے اور یہ اگر اللہ تعالیٰ سے بیگانہ رہے تو یہی کافری ہے۔  
 علم را بے سوز دل خوانی شر است  
 نور او تاریکی بحر و بر است!  
 اگر تو علم کو سوز عشق کے بغیر پڑھے تو یہ شر ہے۔ ایسے علم کو نور بحر و بر کی تاریکی ہے۔  
 بحر و دشت و کوہسار و باغ و راغ  
 از بزم طیارہٴ او داغ داغ!  
 بحر، صحرا، کوہسار، باغ و راغ سب اس کے طیاروں کے ہموں سے داغ داغ ہو جاتے ہیں۔  
 سینہٴ افرنگ را نارے ازوست  
 لذت شبنون و یلغارے ازوست  
 اسی علم نے فرنگیوں کے سینے میں آگ بھڑکائی ہے اور اسی سے انہیں شبنون اور یلغار کی لذت حاصل ہوئی  
 ہے۔

قوتش ابلیس را یارے شود

نور نار از صحبت نارے شود  
اس علم سے حاصل شدہ قوت ابلیس کی مددگار بنتی ہے اور پھر نار یعنی ابلیس کی صحبت سے اس علم کا نور بھی نار  
بن جاتا ہے۔

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است  
زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است!  
ابلیس کو مارنا مشکل کام ہے کیونکہ وہ نفس کی گہرائیوں میں گم ہے۔  
از جلالِ بے جمالے الاماں  
از فراقِ بے وصالے الاماں!  
ایسے علم کے جلال بے جمال سے خدا کی پناہ۔ اس کے لیے وصالِ فراق سے خدا کی پناہ۔  
علمِ بے عشق است از طاغوتیاں  
علمِ با عشق است از لاهوتیاں!  
بغیر عشق کے علم کا تعلق شیاطین سے ہے اور باعشق علم کا تعلق عارفانِ الہی سے ہے۔  
بے محبت علم و حکمت مردہ  
عقل تیرے بر ہدف ناخوردہ  
عشقِ الہی کے بغیر علم و حکمت مردہ ہے اور عقل ایسا تیر ہے جو نشانے سے دور۔  
کور را بیندہ از دیدار کن  
بولہب را حیدر کزار کن!

اندھے (علم) کو دیدارِ الہی سے بصیر بنا دے اور اس طرح بولہب کو حیدر کزار میں بدل دے۔

رموز بیخودی میں حیاتِ ملیہ کے تسلسل، مقاصد اور توسیع کے باب 'در معنی این کی توسیع حیات  
ملیہ از تسخیر توای نظام علم است' کا جو عنوان قائم کیا تھا اس کی توضیح 'حکمت خیر کثیر است' کے تحت موجود  
ہے۔ علامہ یہاں تسخیر کائنات کے لیے علم و حکمت کی اہمیت کو بیان کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ علم  
طاغوتی کو علم لاهوتی بنانے پر بھی زور دیتے ہیں۔

رموز بیخودی کے مضامین کا یہ مختصر جائزہ واضح کرتا ہے کہ علامہ کی بعد کی تمام شعری اور نثری  
تصانیف انہی مضامین کی توضیح و تشریح ہیں۔ اسرار خودی کے بعد رموز بیخودی میں علامہ نے  
انفرادی اور اجتماعی خودی کی تعمیر کے لیے جو اصول تشکیل دیئے تھے وہ اتنے محکم تھے اور علامہ کو ان کے  
بارے میں اتنا شرح صدر تھا کہ وہ زندگی بھر انہی اصولوں کی تعبیر و تشریح اور ابلاغ کے لیے کاوشیں کرتے

رہے۔

ملت اسلامیہ کے ارکان اساسی کا ذکر کرتے ہوئے جب رموز میں علامہ نے توحید اور رسالت کا ذکر کیا تو یوں لگتا ہے کہ انہوں نے اسلام کے تصور دین و تصور حیات کے تیسرے اہم رکن ”آخرت“ کا ذکر نہیں کیا۔ مگر رموز کا آخری عنوان ”عرض حال مصنف بحضور رحمۃ اللعالمین“ اس سوال کا جواب ہے۔ اس کے درج ذیل اشعار علامہ کے تصور آخرت کو بیان کرتے ہیں:

ازدرت خیزد اگر اجزائے من  
وائے امروز خوشا فرداے من  
کوکم را دیدہ بیدار بخش  
مرقدے در سایہ دیوار بخش

یعنی علامہ کے نزدیک مرد مومن کا تصور آخرت، جو توحید اور رسالت کے بعد دین کا تیسرا رکن ہے، جنت، دوزخ کے تصور تک محدود یا اس پر ہی مبنی نہیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ کی حضوری، آپ کی خوشنودی اور ابدی سرخروئی کے حصول سے عبارت ہے، جہاں اقبال کائنات کو مخاطب کرتے ہوئے زبان حال سے کہتے ہیں:

دیدہ آغازم انجامم نگر!



## حوالہ جات و حواشی

- ۱- علامہ اقبال، دیباچہ رموز بیخودی، اشاعت اول، ۱۹۱۸ء۔
- ۲- ایضاً۔
- ۳- ایضاً۔
- ۴- شیخ عطاء اللہ، اقبال نامہ مجموعہ مکاتیب اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۵۳۷-۵۳۸۔
- ۵- ایضاً ص ۶۱۳-۶۱۵۔
- ۶- ایضاً ص ۱۱۲-۱۱۳۔
- ۷- ایضاً ص ۵۰۶-۵۰۷۔
- ۸- علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۹۔
- ۹- مثنوی معنوی، دفتر ۴، بیت: ۳۲۱۸۔
- ۱۰-

تا نگرود نیلونی ما بدی  
اینکہ گفتم ہم نبد جز بیخودی  
(دفتر۔ دوم، بیت: ۸۴۱)

۱۱-

لاف درویشی زنی و بیخودی  
ہای و ہوی عاشقان ایزدی  
(دفتر۔ سوم، بیت: ۶۷۸)

در گلستان عدم، چون بے خودیست  
مستی از سفراق لطف ایزدست  
(دفتر۔ سوم، بیت: ۲۹۴۲)

ای بیدہ در فرام گرم و سرد  
با خود آ از بے خودی و باز گرد  
(دفتر۔ سوم، بیت: ۴۶۶۷)

۱۲-

- چون ہمای بیخودی پرواز کرد  
آن سخن را بایزید آغاز کرد  
(دفتر-چہارم، بیت: ۲۱۲۳)
- با خودی، با بے خودی دو چار زد  
با خود اندر دیدہ خود خار زد  
(دفتر-چہارم، بیت: ۲۱۳۷)
- نہ ہمہ جا بیخودی شر میکند  
بی ادب را، بی ادب تر میکند  
(دفتر-چہارم، بیت: ۲۱۵۶)
- جہد کن در بیخودی، خود را بیاب  
زودتر، واللہ اعلم بالصواب  
(دفتر-چہارم، بیت: ۳۲۱۸)

-۱۳

- بیخودی، بی ابری است، ای نیک خواه  
باشی اندر بے خودی چون قرص ماہ  
(دفتر-پنجم، بیت: ۶۸۴)
- بے خودی نامد بہ خود، توش خواندہ ای  
اختیار از خود نشد، توش راندہ ای  
(دفتر-چہارم، بیت: ۴۱۰۷)

۱۴- مثنوی معنوی، دفتر چہارم

۱۵- شیخ عطاء اللہ، مجموعہ مکاتیب اقبال، ص ۵۰۶-۵۰۷

۱۶- مثنوی معنوی، دفتر چہارم

۱۷- علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی، ص ۶۸-

۱۸- علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو، ص ۷۰۱-

